اردو میں اسلوب اور اسلوبیات کی روایت

خادم حسین
لیکچرر اردو، گورنمنٹ کالج حویلی لکھا، اوکاڑہ

URDU LANGUAGE
AND TRADITION OF STYLE AND STYLISTICS

Khadim Hussain
Lecturer in Urdu
Government College Haveli Lakha, Okara

Abstract

The more formal and established form of criticism in Urdu is study of style. On the contrary, stylistics is the modern way of criticism. Each piece of writing is immensely influenced by the socio-politic and religio-economic trends of its era and has critical peculiarities. The obvious questions which arise in study of stylistics are: when and where study of style and stylistics got inroads into Urdu literature? Is style and stylistics name of same approach of criticism or divergent in nature? Basically "style" is the way of presenting one's ideas whereas the stylistics is called the literary as well as linguistic analysis of the style. This article is the embodiment of the analytical exposition of the stylistic endeavours made by classical as well as modern linguistics of Urdu language.

Keywords: غالب، شبلی، عبادت بریلوی، سید عبداللہ، محی الدین قادری زور، کلیم الدین احمد
حاتم، نثار احمد فاروقی، شان الحق حقی، حامد علی سید

اُردو کی ادبی تاریخ پر نظر دوڑائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اُردو زبان و ادب میں اُسلوب کا مطالعہ اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ خود اردو ادب فرق صرف اس قدر ہے کہ اس دور کا انداز نقد دورِ جدید سے مماثلت کے باوجود مختلف ہے۔ بلاشبہ یہ ایک بڑی حقیقت ہے کہ ہر عہد میں تحقیق اور نقد و انتقاد کے زاویے مختلف رہے ہیں۔ جو باتیں ہمیں آج کل کے دور میں محض تاثراتی اور غیر معروضی نظر آتی ہیں ممکن ہے کہ وہ اپنے عہد کی مستند حقیقتیں ہوں اور اس عہد میں ان تمام باتوں اور نظریات کو قابل قدر اور لائق تحسین تصور کیا جاتا ہو کیونکہ ہر عہد اپنا الگ تحقیقی اور انتقادی مذاق اور مزاج رکھتا ہے۔ کسی بھی عہد پر بات کرنے سے قبل اس عہد کے معروضی حالات اور ادبی تجزیات کو پیش نظر رکھنا نہایت ضروری ہوتا ہے۔ جہاں تک اردو ادبیات میں اسلوب، اسلوبیات کے چلن اور روایت کا تعلق ہے اس پر بات کرنے سے قبل ہمیں اردو ادب کی تاریخ کے تمام معروضی حالات اور تجزیات کو مدنظر رکھنا ہوگا۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اسلوب اور اسلوبیات کا مطالعہ ہمارے ادب میں کب سے رونما ہوا؟ کیا اسلوب اور اسلوبیات ایک ہی طریقہ تنقید ہے؟ یا اسلوب اور اسلوبیات دو الگ الگ انداز نقد ہیں؟ اسلوب طرز نگارش یا انداز بیان کو کہتے ہیں اور اسلوبیات اسلوب کے لسانی اور ادبی تجزیہ کو کہتے ہیں جو خالصتاً توضیحی اور معروضی انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔ اسلوب کی روایت قریب قریب ادب کی تاریخ اور تنقید کے ساتھ ساتھ چلتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ اسلوب سے متعلق گفتگو قدیم بیاضوں، تذکروں، شعرا کے کلام کے مقدموں، قدیم و جدید ادبی تاریخوں، تنقیدی کتب، رسائل اور تنقیدی مضامین میں تواتر سے ملتی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ بہت ابتدائی دور میں اس کا انداز زیادہ تر تاثراتی اور موضوعی ہوتا تھا۔ شاید اس عہد میں یہی کافی سمجھا جاتا تھا یا پھر اس دور کے ناقدین کا مطالعہ اُسلوب اور تنقید کے نقطۂ نظر سے وسیع اور جامع نہ تھا اور اس کی بڑی وجہ ہمارے ناقدین کی یورپی ادب مثلاً فرانسیسی، جرمن، روسی اور انگریزی نقد و ادب سے بلاواسطہ یا بالواسطہ طور پر وابستگی نہ ہونے کے مترادف تھی۔ اس عہد کے ناقدین صرف زبان و بیان کی خوبی اور زیادہ تر شعری مضامین جو موضوعاتی نوعیت کے ہوتے تھے تک ہی محدود تھے۔ اس طرح کی تنقید میں استعمال ہونے والی اصطلاحات جمالیاتی سطح پر تو قدرے بہتر تھیں لیکن ان کا تنقیدی زاویہ نگاہ غیر سائنسی اور غیر معروضی تھا۔ اس اندازِ فکر سے نقصان یہ ہوا کہ "ادب پارے" پر تبصرہ

کرتے ہوئے صرف اس کے اچھے یا بُرے ہونے کا فیصلہ سنا دیا جاتا تھا اور یہ حکم لگایا جاتا تھا کہ فلاں اسلوب اچھا اور فلاں برا اسلوب ہے۔ گویا مطالعہ اسلوب کے لیے جو سائنسی فکر درکار تھی وہ نہ مل سکی اور زیادہ تر ناقدین کا زاویہ نگاہ بالکل تاثراتی ہوتا تھا کیونکہ ان کی تحریروں میں استدلال تو موجود تھا اور جن ناقدین کی تحریروں میں استدلال زیادہ اور تاثراتی انداز کم ہوتا تھا ان کی تحریریں زیادہ توجہ اور داد و تحسین حاصل کرتی تھیں۔ اُردو ادب میں اُسلوب کے قدیم مطالعہ میں جن نامور ادبا کے نام لیے جا سکتے ہیں ان میں حاتم، میر، مصحفی، انشا، غالب، ناسخ، مومن، شبلی، آزاد، حالی، سرسید، عبدالسلام ندوی، امیر مینائی، حسرت موہانی اور مولوی عبدالحق کی تحریریں شامل ہیں۔ ان نامور قدیم ادبا کے اسلوب پر تنقید اور تحقیق کرنے والوں میں مسعود حسن رضوی ادیب، احتشام حسین، عبدالقادر سروری، ڈاکٹر عبادت بریلوی، آل احمد سرور، سید عبداللہ، خواجہ احمد فاروقی، مجنوں گورکھ پوری اور کلیم الدین احمد وغیرہ شامل ہیں۔ ان ناقدین اور محققین نے اپنی بساط کے مطابق ان ادبا کے اسالیب پر آرا پیش کیں لیکن مطالعہ اسلوب کے ضمن میں مذکورہ بالا تمام ناقدین کے اسلوب پر تجزیوں اور تنقیدی آرا سے یکسر مختلف ایک نام ڈاکٹر محی الدین قادری زور کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ اُردو زبان و ادب میں مطالعۂ اُسلوب کے ضمن میں مذکورہ بالا انداز نقد اور اُسلوب کے مطالعہ میں ایک الگ اور منفرد نام ملتا ہے۔ تاریخِ ادب، تحقیق اور تنقید بلکہ لسانیات کے ابتدائی ماہر ڈاکٹر محی الدین قادری زور ہیں جنھوں نے اپنی تصنیف 'اُردو کے اسالیب بیان' میں اسلوب کے مطالعہ کو قدیم اور روایتی انداز سے ہٹ کر پیش کیا ہے۔ ان کے انداز نقد کو روایتی انداز نقد اور جدید سائنسی انداز نقد کے درمیان تصور کیا جا سکتا ہے۔ ۱۹۲۷ء میں شائع ہونے والی اپنی کتاب میں انھوں نے پہلی بار اُردو کے نثری اسالیب کو ادوار میں تقسیم کے ساتھ ساتھ ان کے فنی تجزیے بھی پیش کیے۔ اس کتاب کی اہم بات یہ تھی کہ محی الدین قادری زور نے اُردو ادب کے انشا پردازوں اور انگریزی ادب کے انشا پردازوں کے اسالیب کا تقابلی جائزہ بھی پیش کیا اور دو مختلف ادبوں میں پروان چڑھنے والے مشترکات اور مماثلات کو بھی پیش کیا۔ ڈاکٹر زور نے ان دونوں میں ادبا کے تقابلی جائزوں کو ان کے اسلوب میں موجود مشترکات اور مماثلات کی بنا پر پیش کیا۔ انھوں نے عبدالحلیم شرر کو رچرڈسن (Richardson)، خواجہ حسن نظامی کو ایڈیسن (Adison)،

مہدی افادی کو رسکن (Ruskin) اور محمد حسین آزاد کو کارر لائل (Carlouel) کا درجہ دیا۔ محی الدین قادری زور اپنی تصنیف 'اُردو کے اسالیب بیان' میں محمد حسین آزاد کی نثر اور اسلوب کے متعلق لکھتے ہیں:

''آزاد دنیا میں خوش گوئی کے لیے پیدا کیے گئے تھے وہ اگر کسی کی برائی بھی بیان کریں گے تو اس قدر حُسنِ عقیدت اور شگفتگی سے بیان کریں گے کہ پڑھنے والا بجائے اس شخص سے متنفر ہونے کے اس کے ساتھ ہمدردی کرنے لگتا ہے۔ ان کی شخصیت انگلستان کے مشہور انشا پرداز کارلائل کی طرح ان کے اسلوب بیان میں جاری اپنی جھلکیں دکھائی دیتی ہے تاہم ان کا اسلوب بیان زیادہ تر خیالی ہے، وہ ٹھوس باتیں بھی مزاحیہ اور رنگین جملوں میں بیان کرتے تھے۔''(۱)

محی الدین قادری نے اس بیان میں محمد حسین آزاد کے اسلوب اور کارلائل کے اسلوب میں جو قدر مشترک پیش کی ہے وہ ان کا مزاحیہ انداز اور رنگین جملہ سازی ہے لیکن اس تقابل میں بھی ڈاکٹر زور کا انداز تاثراتی ہی ہے۔ آخر میں انھوں نے آزاد کے اسلوب کو 'خیالی اُسلوب'' کے زمرے میں پیش کر کہ بات مکمل کر دی ہے۔ اسی طرح وہ خواجہ حسن نظامی کے اسلوب کے متعلق لکھتے ہیں:

''لطیف چھوٹے چھوٹے جملے، عربی، فارسی اور ہندی کے دلچسپ اور پُر ترنم الفاظ کا انتخاب، سیدھی سادی مگر ساتھ ہی بے باکی عبارتوں میں بڑے بڑے مطالب حل کرنا، بے تکلفی اور بے ساختگی پن، یہ تمام چیزیں ان کے نام کو اس وقت تک زندہ رکھیں گی جب تک اُردو نثر باقی رہے گی۔''(۲)

ڈاکٹر زور اپنا تاثر ابوالکلام آزاد کے اُسلوب پر یوں پیش کرتے ہیں:

''ابوالکلام آزاد کے اُسلوب میں عربی و فارسی لفظوں کی فراوانی بعض جگہ عیب نہیں حُسن بن جاتی ہے۔ ان کی تحریر اور تقریر میں پہاڑی دریاؤں جیسی روانی ہے۔''(۳)

محی الدین قادری زور کے اُسلوب پر تجزیوں، تقابل اور تنقیدی آرا کے سامنے آنے کے بعد بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ان کا زاویۂ فکر کتنا معروضی اور غیر معروضی ہے البتہ ان تجزیوں میں

اُسلوب کی تہہ تک پہنچنے کی کوشش ضرور ملتی ہے لیکن کوئی بھی تبصرہ اور تجزیہ سائنسی اور معروضی نہیں ہے البتہ تقابل کا ایک عنصر واضح ملتا ہے۔ ان تجزیوں، تبصروں اور اسالیب کے تقابل کی بنا پر ڈاکٹر زور نے اردو کے ان نامور انشا پردازوں کے اسالیبِ نثر کو سات مختلف ناموں میں تقسیم کیا ہے۔ مرصع نگاری، سادہ نگاری، محاورہ بندی، انگریزیت، الہلالی اُردو، ادبِ لطیف، مزاح نگاری اور گلابی اُردو کے طور پر پیش کیا ہے۔ بہ نظر غائر دیکھا جائے تو زور نے اُسلوب کے تشکیلی عناصر کی نشان دہی کر کے ان اسالیب کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا ہے۔ ان کے اس کام کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ اسلوب سے متعلق عملی تجزیے شروع ہوئے جو اس سے قبل بہت کم تھے۔ (۴)

زور کے اسلوب پر کام کے بہت عرصہ بعد تک اسلوب پر ہونے والا کوئی منفرد تنقیدی کام سامنے نہیں آیا۔ لیکن ان کے کام کے کوئی تیس سال بعد نثار احمد فاروقی اور سید عبداللہ کے اسلوب پر دو مضامین سامنے آتے ہیں جن میں اسلوب کو موضوع بحث بنایا گیا ہے۔ نثار احمد فاروقی نے اپنی تصنیف 'دید و دریافت' میں 'اسلوب' کے عنوان سے مضمون تحریر کیا ہے جس میں اسلوب کیا ہے؟ اس کی ادبیات میں رائج مختلف تعریفوں اور اسلوب کے مادے پر بحث ملتی ہے نیز اسلوب کو مختلف زبانوں مثلاً عربی، فارسی، سنسکرت، ہندی، انگریزی اور اُردو میں کس کس نام سے تحریر کیا گیا ہے اور اسلوب کی تشکیل میں کارفرما عناصر کا ذکر بھی ملتا ہے۔ انھوں نے اسلوب کو خیال اور الفاظ کے دو مختلف حصوں میں تقسیم کیا ہے اور خیال کو اختصار، سلاست، صفائی، سادگی، قوتِ اظہار، قوتِ ابلاغ، سنجیدگی، صوتی کیفیت، خوش آہنگی، اعتماد، انا، شگفتگی کو اسلوب کے عناصر کے طور پر بیان کیا ہے۔ الفاظ کے ذیلی عناصر میں خطابت، زورِ بیاں، موسیقیت، ترصیع، ترکیب، کنایہ، استعارہ، تشبیہ و تمثیل، مبالغہ، وزن، ہم مخرج حرف اور آہنگ وصوت کو بیان کیا گیا ہے اور اسلوب کے ان بنیادی اور ذیلی عناصر کی روشنی میں اس کی سائنسی اور معروضی انداز میں تفہیم پر زور دیا ہے نیز شعری اور نثری اسالیب کے عملی تجزیے اور مثالیں پیش کی ہیں۔ 'دید و دریافت' میں نثار احمد فاروقی، مولانا ظفر علی خاں کے ایک شعر پر یوں تبصرہ کرتے ہیں:

''ہوکا عالم تھا وہاں، کرتا تھا جنگل بھائیں بھائیں
سنسنی اُٹھتی تھی سُن سُن کر ہوا کی سائیں سائیں

یہ شعر، جس میں جنگل کے سنسان ہونے کا نقشہ ایسے مناسب لفظوں میں کھینچا گیا ہے کہ شاید اس سے بہتر پیرایہ ممکن نہ ہو۔ مزید آگے لکھتے ہیں:

اس میں "ہو" "بھائیں بھائیں"، "سنسنی"، "سُن سُن کر" اور "سائیں، سائیں" یہ سب الفاظ بھرپور صوتی کیفیت رکھتے ہیں یا مثنوی شعر البیان کا یہ شعر:

چلی واں سے دامن اُٹھاتی ہوئی
کڑے کو کڑے سے بجاتی ہوئی

الفاظ کے انتخاب میں ان کی صوتی کیفیت، تازگی اور معنی بندی سب سے قابلِ لحاظ ہیں۔"(۵)

نثار احمد فاروقی سائنسی اور معروضی انداز میں اُسلوب کے مطالعہ کے علم بردار ہیں اور انھوں نے اُسلوب کے صوتی پہلو کو خالص لسانیاتی اور اسلوبیاتی انداز میں پیش کیا ہے۔ آگے چل کر وہ میر اور غالب کے شعروں میں تصویریت اور انتخابِ الفاظ پر تبصرہ کرتے ہیں اور ان کی عملی مثالیں بھی پیش کرتے ہیں۔ میر کے کلام میں ابلاغ کمال درجے کا ہے اور غالب کی شاعری میں فکر و تعمق بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ نثار فاروقی تصویریت اور صوتی آہنگ کے لیے شعری مثال پیش کرتے ہیں:

"کھا کھا کے اوس اور بھی سبزہ ہرا ہوا
تھا موتیوں سے دامنِ صحرا بھرا ہوا

اس شعر میں لفظ "اوس" آیا ہے اور یہی برمحل ہے۔ اب اگر "شبنم" وزن میں کھپا بھی دیا جائے تو شعر کا سارا لطف مٹی میں مل جائے گا لیکن دوسری جگہ:

شبنم نے بھر دیئے تھے کٹورے گلاب کے

"شبنم" اور "کٹورے" پر غور کیجئے ان سے زیادہ مناسب الفاظ یہاں نہیں آسکتے جو بھرپور صوتی آہنگ اور "تصویریت" کے ساتھ جمالیاتی پہلو بھی رکھتے ہوں۔ "کٹورے" کی جگہ "پیالے" پڑھیے اور دیکھیے مصرع کتنا پھیکا ہو جاتا ہے۔"(۶)

نثار احمد فاروقی نے ان شعری مثالوں کے ساتھ ساتھ اُسلوب کے عناصرِ تشکیلی کی عملی

وضاحت بھی کی ہے اور نثر کی مثالیں بھی پیش کی ہیں۔ مرصع نگاری اور لفظوں کی بھرمار والے اسلوب کا موازنہ انھوں نے سادہ اور سلاست والے اُسلوب سے کیا ہے۔ اس تقابلی جائزے میں وہ مولانا ابوالکلام آزاد اور مولوی عبدالحق کے نثری اسلوب کے نمونے پیش کرتے ہیں جو نثری اسلوب پر ان کا منفرد تجزیہ ہے۔ ابوالکلام آزاد کی کتاب 'تذکرہ' کے آخری باب میں سے ایک اقتباس نقل کرتے ہیں:

''وہ ذلت کا زخم نہ تھا بلکہ نامرادی کا زخم لگانے والا ہاتھ تھا۔ وہ مظلومی کی تڑپ نہ تھی بلکہ ظلم کو تڑپانے والی شمشیر تھی، وہ مسکینی کی بے قراری نہ تھی بلکہ دنیا کو بے قرار کرنے والوں نے اس سے بے قراری پائی وہ درد وکرب کی کروٹ نہ تھی بلکہ درد وکرب میں مبتلا کرنے والوں کو اس سے بے چینی کا بستر ملا۔''(۷)

نثار فاروقی مولوی عبدالحق کی عبارت کو نمونے کے طور پر پیش کرتے ہیں:

''وہ حساب کے کھرے، بات کے کھرے اور دل کے کھرے تھے وہ مہر ووفا کے پتلے اور زندہ دلی کی تصویر تھے۔ ایسے نیک نفس، ہمدرد، مرنج ومرنجاں اور وضع دار لوگ کہاں ہوتے ہیں۔ ان کے بڑھاپے پر جوانوں کو رشک آتا تھا اور ان کی مستعدی دیکھ کر دل میں اُمنگ پیدا ہوتی تھی ان کی زندگی بے لوث تھی اور ان کی زندگی کا ہر لمحہ کسی نہ کسی کام میں صرف ہوتا تھا۔''(۸)

ابوالکلام آزاد اور مولوی عبدالحق کی کتابوں میں سے اقتباسات پیش کرنے کے بعد نثار فاروقی ان کا تقابل اس انداز میں پیش کرتے ہیں:

''ان دونوں عبارتوں میں جو اوپر نقل کی گئیں ''اسٹائل' 'موجود ہے مگر فرق یہی ہے کہ پہلی عبارت میں الفاظ زیادہ ہیں مضمون کم ہے اور دوسری میں مفہوم زیادہ الفاظ کم پہلی عبارت خوب صورت ہے، مگر دوسری سائٹی فک ہے۔''(۹)

نثار فاروقی کے اس تقابلی مطالعہ سے بھی تاثراتی تنقید کا تاثر سامنے آتا ہے اور کہیں کہیں عملی تنقید کے نمونے بھی۔ شاعری کی مثالوں میں صوتی آہنگ، صوتی تجزیہ ان کے اسلوبیاتی ویژن کا عکاس ہے۔ اُسلوب کی تعریف اور اس کے عناصر کی تشکیل کے حوالے سے سیّد عبداللہ نے اپنی کتاب

'اشاراتِ تنقید' میں اُسلوب کے معنی اور مفہوم کو واضح کیا ہے اور وضاحت کے لیے مختلف مغربی ماہرین کی تعریفیں بھی پیش کی ہیں۔ان کے ہاں نثری اسلوب اور شعری اُسلوب کے مباحث تو موجود ہیں مگر کوئی ٹھوس تجزیہ سامنے نہیں آتا ہے۔وہ اپنی کتاب 'لطیف نثر' میں بھی نثری اسلوب اور اسلوبِ بیان کے ضمن میں مصنف کی شخصیت کو اسلوب کا عکس اور نقش قرار دیتے ہیں اور ان کا یہ انداز خالصتاً تاثراتی اور قدیم تنقید کا حامل ہے۔سید عبداللہ اسلوب کے عملی تجزیے کے لیے اپنی کتاب 'نئے اور پرانے (سخن ور)' کے حصہ دوم میں مختلف شعرا کے اسلوب پر بات کرتے ہیں تو وہاں پر ان کا انداز بھی تاثراتی ہی ہے۔محی الدین قادری زور اور کسی حد تک نثار احمد فاروقی کے مضمون 'اُسلوب' میں اُسلوب کے تجزیاتی اور لسانی پہلوؤں کو مدِنظر رکھا گیا ہے۔ڈاکٹر زور اور نثار فاروقی کے بعد اُردو ادب میں اُسلوب کی روایت میں سید عابد علی عابد کی کتاب 'اُسلوب' ایک اہم سنگِ میل ثابت ہوتی ہے۔یہ کتاب ان کی وفات کے بعد 'باقیاتِ عابد' میں سے نکال کر پہلی بار ۱۹۷۱ء میں مجلسِ ترقی ادب لاہور نے شائع کی۔یہ کتاب اُسلوب اور اس کے تشکیلی عناصر نیز شاعروں اور نثر نگاروں کے طرزِ ادا پر مشتمل تجزیوں سے مزین ہے۔اس کتاب کی اہمیت اور افادیت کا اندازہ پروفیسر حمید احمد خاں کی اس رائے سے لگایا جا سکتا ہے:

> ''مرحوم نے ۲ نومبر ۱۹۷۰ء کو ایک ذاتی رقعے میں اپنے اس تنقیدی کارنامے پر جو رائے ظاہر کی تھی وہ اس قابل ہے کہ یہاں نقل کی جائے۔انھوں نے فرمایا:
> ''یہ تصنیف میری زندگی کے تجربات اور مطالعات کا نچوڑ ہے اور غالباً حاصلِ حیات ہے۔''(۱۰)

مذکورہ بالا الفاظ سے واضح ہوتا ہے کہ مصنف نے اس کتاب کو لکھنے میں کتنی محنت سے کام لیا ہوگا اور نہ جانے وہ اس کتاب میں اور کیا کیا تبدیلیاں یا نئے موضوعات پیش کرنا چاہتے ہوں گے مگر زندگی نے وفا نہ کی۔یہ بات مسلمات میں سے ہے کہ انھوں نے اپنے اس کام کو بہت زیادہ اہمیت دی تھی۔پروفیسر حمید احمد خاں اس کتاب کو عملی تنقید پر ایک منفرد کتاب کے طور پر پیش کرتے ہوئے اس

کے دیباچے میں یوں رقم طراز ہیں:

''عابد علی عابد مرحوم کی زیرِ نظر تصنیف ہمارے اپنے شعرا کا کلام تنقید جدید اور فلسفۂ مغربی کی ترجمانی اور توثیق کرتا نظر آتا ہے۔ اس طرح مصنف کے ہمہ گیر ذوق کی جودت وطراوت نے اس کتاب کو ادب کے طالب علم کے لیے عملی تنقید کے دائمی لطف کا سرچشمہ بنادیا ہے۔''(۱۱)

پروفیسر حمید احمد خاں کی بیان کردہ اس رائے سے واضح ہوتا ہے کہ اس دور میں نقد وادب کے سنجیدہ حلقوں میں تنقیدِ جدید اور عملی تنقید کا رواج پروان چڑھنا شروع ہو چکا تھا۔ عابد علی عابد پر حمید احمد خاں کی رائے کے بعد دیکھتے ہیں کہ کیا واقعی عابد علی عابد نے اپنی تصنیف 'اسلوب' کو حاصلِ حیات سمجھ کر لکھا تھا؟ زیرِ نظر کتاب کل دس ابواب پر مشتمل ہے باب اوّل میں فن اور فنون لطیفہ پر مشرقی، مغربی ماہرین اور اساتذہ کی آرا کو پیش کیا گیا ہے اور ان آرا کی روشنی میں تفصیل سے فن اور فنون کے فرق کو واضح کیا ہے۔ دوسرے باب میں کروچے کے ''نظریہ اظہار'' کو مشرق ومغرب کے زاویہ فکر کے حوالے سے پیش کیا ہے اور میاں شریف کی تصنیف 'جمالیات کے تین نظریے' میں ان کی طرف سے بیان کیے اعتراضات کے جوابات بھی پیش کیے گئے ہیں۔ تیسرا باب، 'فن کا منصب اور غایت' کے عنوان سے ہے، جس میں ارسطو سے لے کر موجودہ عہد تک تمام نظریاتِ مشرق ومغرب کو معتبر انداز میں بیان کیا ہے۔ چوتھا باب 'اسلوب' کے عنوان سے ہے اس باب میں اسلوب کے مختلف معانی، مفہوم، انتقادی زبان اور اسلوب پر دیگر ماہرین نقد وادب کے نظریات کو پیش کیا ہے۔ باب پنجم میں اُسلوب اور شخصیت پر بحث کی ہے اور مختلف شعرا کے کلام اور نثر کے اقتباسات کی روشنی میں فن اور فن کار کے درمیان شخصی عنصر کی وضاحت کی ہے۔ باب ششم میں اُسلوب اور ہیئت کو سرفہرست رکھا گیا ہے۔ الفاظ اور معانی کے رشتے اور شعر کیا ہے؟ اس کو مراۃ الشعر کے حوالے سے بیان کیا ہے نیز اس باب میں مترادفات اور مرادفات، جدتِ ادا اور حُسنِ ادا کا بیان بھی کیا ہے۔ باب ہفتم میں اسلوب کی فکری صفات کو بیان کیا ہے اور ان میں سادگی، قطعیت، اختلالِ حواس اور اختصار کو شامل کیا ہے۔ باب ہشتم 'اُسلوب کی جذباتی صفات' پر مشتمل ہے۔ اُسلوب کی جذباتی صفات میں زورِ بیان، گداز، مزاح

اور بذلہ سنجی کو مختلف شعرا کے کلام اور کہیں کہیں نثری اسلوب کے حوالے سے ان کے تجزیے پیش کیے ہیں۔ باب نہم اُسلوب کی تخیلی صفات کو اس طرح پیش کرتا ہے جس میں تجسیم، شاعری اور عرفان، فریبِ چشم ساقی، شاعری اور جنون، تخیل، مجاز، تشبیہ، استعارہ، نثر اور استعارہ، خیال فروزی اور تصویریت کو شامل کیا ہے۔ گاہے گاہے مختلف شاعروں کے اشعار کو بطور نمونہ پیش کر کے ان کا تجزیہ بھی کیا ہے۔ باب دہم میں اُسلوب کی جمالیاتی صفات کو لکھا ہے جن میں ترنم، اضافت اور نغمہ کو اپنی بحث کا محور رکھا ہے۔

زیرِ نظر تصنیف کی ابواب بندی، فہرست اور اُسلوب کے موضوعات کو مرحلہ وار بیان کرنا اس بات کا غماز ہے کہ سید عابد علی عابد نے کس قدر محنت، کاوش اور تن دہی سے اس کام کو انجام دیا ہے۔ انھوں نے اس کتاب کو بہت بلیغ انداز میں تصنیف کیا ہے۔ اگرچہ سید عابد علی عابد مشرقی شعریات اور مشرقی اُصول نقد و انتقاد کے نہ صرف حامی تھے بل کہ وہ اس کے ماہر بھی تھے لیکن اس کتاب میں انھوں نے مشرق و مغرب کے تفاوت کو ختم کرتے ہوئے علمی اور فکری زاویے کو مثبت انداز میں پیش کیا ہے۔ انھوں نے مشرق و مغرب کے تمام مباحثِ جدید کو اس کتاب میں بہت واضح اور بین انداز میں پیش کیا ہے اور مختلف حوالوں اور آرا سے اسلوب کے تصور کو نہ صرف واضح کیا بلکہ اس کے عملی تجزیے بھی پیش کیے ہیں جس طرح اُردو ادب میں اسلوب کی روایت میں زور کی تصنیف 'اُردو کے اسالیبِ بیان' میں خشتِ اوّل کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی طرح سید عابد علی عابد کی تصنیف 'اُسلوب' اپنے موضوع پر مدلل اور اسلوب میں شعر و ادب کے عملی تجزیوں سے مزین ہے۔

اردو زبان و ادب میں قدیم لسانیات، زبان کی ماہیت اور زبان کے مختلف گروہوں کے نام، الفاظ کی بناوٹ، مفرد اور مرکب تراکیب، مفرد اور مرکب اصطلاحات پر مباحث ملتے ہیں نیز زبان اور اس کے الفاظ میں گاہے بگاہے ہونے والی تبدیلیوں کا ذکر بھی ملتا ہے۔ اس طرح کے موضوعات پر قدیم ماہرین لسانیات کی نہ صرف قابلِ قدر فہرست سامنے آتی ہے بلکہ ان کے کام بھی لائق تحسین ہیں ان ماہرین لسانیات میں ڈاکٹر محی الدین قادری زور، ڈاکٹر شوکت سبزواری، ڈاکٹر گیان چند جین، ڈاکٹر مسعود حسین، بابائے اُردو مولوی عبدالحق، شان الحق حقی، ڈاکٹر عبدالسلام، جابر علی سید، سید قدرت نقوی،

سہیل بخاری اور وارث سرہندی شامل ہیں۔ ان سب کے ہاں زبان کے ارتقا اور اس کی تاریخ پر مشتمل موضوعات ملتے ہیں۔ علاوہ ازیں ان کے ہاں زبان اور مختلف بولیوں میں ہونے والی تبدیلیاں خالص لسانی پہلو کی صورت میں دیکھی جا سکتی ہیں اور ان موضوعات پر ان کی کتب اور مضامین دستیاب ہیں۔ جدید لسانیات اور اس کے مختلف ذیلی شعبوں میں خصوصاً اُسلوبیات کے مطالعے اور تجزیے کا ذکر آتا ہے جو ادب کے لسانی اور ادبی پہلوؤں کو مدنظر رکھ کر معروضی اور سائنسی انداز میں پیش کیا گیا ہے مگر ان ماہرین کے ہاں جدید لسانی تجزیات پر کوئی خاطر خواہ کام نظر نہیں آتا۔ جدید لسانیات اور اسلوبیات کو قدرے سرپرستی کی ضرورت ہے اگر ایسا ہو جائے تو یہ تنقیدی رجحان بھی دوسرے ادبی اور تنقیدی رجحانات کی طرح ضرور نمو پائے گا۔

اسلوبیات اُسلوب کے مطالعہ جدید سے عبارت ہے۔ جدید لسانیات اور اسلوبیات کی روایت میں سب سے اہم نام پروفیسر مسعود حسین خاں کا ہے۔ انھوں نے اپنے مضامین میں شعری اسلوب کے صوتی پہلوؤں کو موضوع بحث بنایا ہے۔ ان کے مضامین میں کلامِ غالب کے قوافی وردیف کا صوتی آہنگ، غالب کے خطوط کی لسانی اہمیت اور مطالعہ شعر شامل ہیں۔ ان مضامین میں صوتیاتی تجزیے پیش کیے گئے ہیں۔ ان کے یہ مضامین کسی قدر جدید لسانیات اور اسلوبیات کے سائنسی اور معروضی اندازِ نقد کو ملحوظ رکھتے ہیں۔ مسعود حسین خاں نے اسلوبیات پر کوئی باقاعدہ کتاب تو نہیں لکھی ہے البتہ امریکہ میں اپنے قیام کے دوران انھوں نے بہت سی کتابیں پڑھیں اور ان کتابوں میں ادبیات، نفسیات اور جدید لسانیات کی کتابیں بھی شامل تھیں۔ ان کتب سے انھوں نے کس قدر استفادہ کیا اس بارے میں خود لکھتے ہیں کہ "اس زمانے میں میرے سر سودا سمایا ہوا تھا کہ زبان کے نازک ترین استعمال یعنی شاعرانہ استعمال کی تہہ تک پہنچ سکوں۔ لسانیات کا مطالعہ اب میرے لیے ثانوی ہو گیا تھا۔ جب ادبی نقادوں کی لفاظی سے گھبرا جاتا تو پھر لسانیات میں غوطہ زن ہوتا۔ قدما کے علمِ بیان و بلاغت کے بارے میں مشاہدات اور فرمودات کو لسانی علم کی کسوٹی پر پرکھنے کی کوشش کرتا۔ اس میں چامسکی کے نظریے سے بہت مدد ملتی۔ اس لیے کہ اس نے علمِ لسان کی آنکھیں باہر کے بجائے اندر کی

جانب کردی تھیں۔ اب معنی اس قدر بے معنی نہیں تھا جس قدر کہ بلوم فیلڈ یوں نے سمجھ رکھا تھا لیکن اس کے لیے نفسیاتی لسانیات پر کام کرنے کی ضرورت تھی۔'' (۱۲)

پروفیسر مسعود حسین خاں کے اس بیان کی روشنی میں بہ خوبی اندازہ ہوجاتا ہے کہ وہ بلوم فیلڈ کے لسانی نظریہ سے ناخوش تھے اور چامسکی کا نظریہ لسان ان کے لیے پسندیدہ تھا۔ مسعود حسین خاں نے زیادہ تر چامسکی کے نظریہ سے ہی استفادہ کیا ہے اور ادب کے لسانیاتی مطالعہ شعر و ادب پر، لسانیات کے باقاعدہ اطلاق کو'اسلوبیات' کا نام دیا ہے۔ عملی تنقید اور جدید تنقید کے زاویہ فکر کی طرح مسعود حسین خاں بھی مصنف کے بجائے متن کی اہمیت کے حامی ہیں۔ اس ضمن میں ان کا قول نقل کرتے ہیں:

''لسانیاتی مطالعہ شعر میں نہ تو فن کار کا ماحول اہم ہوتا ہے اور نہ خود اس کی ذات، اہمیت دراصل ہوتی ہے اُس فن پارے کی جس کی راہ سے ہم اس کے خالق کی ذات اور ماحول دونوں میں داخل ہونا چاہتے ہیں۔'' (۱۳)

اُردو لسانیات میں اُسلوبیات کے ماہر، نقاد اور محقق ڈاکٹر نصیر احمد خان اپنی تصنیف 'ادبی اسلوبیات' میں ڈاکٹر مسعود حسین خان کے صوتی تجزیوں میں سُقم پر اپنی رائے اس انداز میں پیش کرتے ہیں:

''اُردو کی آوازوں کے صوتی مزاج کو سمجھے بغیر انھوں نے شعروں میں ان کے کرداروں سے بحث کی ہے۔ شعر و زبان کے صفحہ ہیں پر اُردو کے حروف صحیح کے صوتی نظام کا جدول جو دیا ہے وہ بھی اُدھورا اور غیر سائنٹی فک ہے۔'' (۱۴)

سماجی علوم اور ادبیات میں کسی بھی مصنف کی رائے کو حتمی اور قطعی تصور نہیں کیا جاتا ہے۔ اس میں اختلاف کی گنجائش موجود رہتی ہے لیکن اسلوبیات کے لسانی اور صوتی پہلو کے ضمن میں مسعود حسین خاں کو جو اولیت حاصل ہے وہ تو بہر حال قائم رہے گی البتہ علمی اور فکری مباحث میں اختلاف رائے اور غلطی کی نشان دہی کو سراہا جانا چاہیے۔ اُسلوبیات کی اس روایت میں مسعود حسین خاں کے بعد ان کے شاگرد پروفیسر مغنی تبسم کا ذکر آتا ہے۔ انھوں نے اپنے مقالے 'فانی بدایونی۔ حیات، شخصیت اور شاعری' کے آخری باب میں فانی بدایونی کے شعری اسلوب اور صوتی حسن کو شناخت کر کے معروضی انداز میں پیش کیا ہے۔

علاوہ ازیں غالب کی شاعری پر ان کے مضامین دیکھنے کے لائق ہیں۔ ان مضامین میں سے 'غالب کی شاعری بازیچہ اصوات' اور 'اصوات اور شاعری' ایک لحاظ سے قابلِ ذکر مضامین ہیں۔ اُردو زبان وادب میں اسلوبیات کی روایت میں ایک اہم نام ڈاکٹر گوپی چند نارنگ ہے۔ ان کا میدانِ نقد تو ادبی او رلسانی دونوں پہلوؤں پر محیط ہے بلکہ اس طرح کہنا مناسب ہوگا کہ ان کی تنقیدی بصیرت، ادبی تنقید اور اسلوبیاتی تنقید کا حسین امتزاج ہے۔ انھیں ادبی اور اسلوبیاتی اندازِ نقد میں مہارت خاص ہے۔ انھوں نے اُسلوبیات کے مطالعہ میں جن ادیبوں اور شاعروں کے اسلوبیاتی تجزیے بطور خاص پیش کیے ہیں ان میں راجندر سنگھ بیدی کے فن کی استعاراتی اور اساطیری جڑیں، انتظار حسین کا فن، اقبال کی شاعری کا صوتیاتی نظام، اسلوبیاتِ اقبال (نظریہ اسمیت اور فعلیت کی روشنی میں)، اسلوبیاتِ میر، فیض کا معنیاتی نظام، اسلوبیاتِ انیس اور جوش کی شاعری کا اسلوبیاتی تجزیہ شامل ہیں۔ اس سلسلے میں ان کی اہم تصانیف میں 'اسلوبیات میر' اور 'ادبی تنقید اور اسلوبیات' قابل ذکر ہیں۔ موخر الذکر کتاب میں انھوں نے اسلوبیات کے بنیادی مباحث کے علاوہ اسلوبیاتی تجزیوں کو پیش کیا ہے اور اُسلوبیات میں اسلوبیاتی تجزیے کو صوتی، نحوی، معنیاتی، عروضی اور ہیت کی شکل میں پیش کرنے کی تجویز دی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ یہ مطالعہ انفرادی طور پر ایک سطح کو لے کر اور کلی طور پر تمام سطحوں کو لے کر پیش کیا جا سکتا ہے۔ اُسلوب اور اُسلوبیات کے متعلق لسانی اور ادبی تجزیوں میں گوپی چند نارنگ کو منفرد حیثیت حاصل ہے۔

اُسلوب کے سائنسی مطالعے کے حوالے سے ڈاکٹر محمد حسن کا نام بھی لیا جا سکتا ہے۔ انھوں نے ادبی تنقید اور اسلوبیات دونوں کی مدد سے اسلوب کی پہچان کرائی ہے۔ وہ اپنے مضمون 'غالب کا شعری آہنگ' میں اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ غالب کے اسلوب کی پہچان تضاداتِ لفظی میں پوشیدہ ہے۔ انھوں نے اندازِ بیان کی تمام تراکیب، تشبیہ اور استعارہ کو تضاد کے زمرے میں رکھا ہے۔ ان کا دوسرا اہم مضمون 'غالب کا نثری آہنگ' ہے۔ اس میں انھوں نے غالب کے چھوٹے چھوٹے جملوں اور ان جملوں کی قافیہ بندی کے اُبھرتے 'آہنگ' میں غالب کے اُسلوب کی خصوصیات کو تلاش کیا ہے۔

اسلوب، اسلوبیاتی تجزیے اور لسانی شعور سے متعلق ایک معتبر نام شمس الرحمٰن فاروقی کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ وہ متن میں اسلوبیاتی خصائص تلاش کرنے اور ان کو نشان زد کرنے کے اصولوں سے بہ خوبی آگاہ ہیں۔ ان کی تحریریں 'شعر شور انگیز' 'شعر، غیر شعر اور نثر' کی شکل میں ہوں یا 'مطالعۂ اسلوب کا ایک سبق' تو وہ اسلوبیاتی جائزوں اور لسانی تجزیوں سے ہم آہنگ دکھائی دیتی ہیں۔ اُسلوب، اسلوبیات اور لسانی تجزیوں کے زمرے میں ڈاکٹر نصیر احمد خاں ایک قابلِ ذکر نام ہے۔ اُسلوبیات پر ان کی کتاب 'ادبی اسلوبیات' ہے۔ اس میں نامور انشا پردازوں کے اسالیب بیان پر تجزیے شامل ہیں جو خاص اہمیت اور افادیت کے حامل ہیں۔ کتاب کے دیباچہ میں اسلوب، اسلوبیات اور اسلوبیاتی مطالعہ کو بڑے اچھے انداز میں پیش کیا ہے۔ لسانیات کے سلسلے میں انھوں نے ڈیوڈ کرسٹل (David Crystal) کی کتاب ''لسانیات کیا ہے؟'(What is Linguistics) کا ترجمہ پیش کیا ہے۔ جو ان کی لسانیاتِ جدید سے نظری، فکری اور عملی وابستگی کا ثبوت ہے۔

اُردو میں اُسلوبیات کی روایت میں ایک اور نام علی رفاد فتیحی کی صورت میں آتا ہے۔ انھوں نے اپنی کتاب اسلوبیاتی تنقید اور 'مسجد قرطبہ' علامہ اقبال کی نظم کا اسلوبیاتی تجزیہ پیش کیا ہے۔ ان کے ہاں نظری اور عملی تنقید دونوں کی صورت نظر آتی ہے۔ اسلوب اور اسلوبیات کی روایت میں طارق سعید کا نام بھی آتا ہے۔ ان کی کتاب 'اسلوب اور اسلوبیات' کے عنوان سے منظرِ عام پر آئی ہے۔ علاوہ ازیں وہ اسلوبیاتِ اقبال اور اسلوبیاتی تنقید، تناظر، وجہی سے قرۃ العین حیدر تک کے عنوان سے کتابیں شائع کر چکے ہیں۔ ان کا انداز زیادہ تر تاثراتی ہے اور محی الدین قادری زور سے ملتے جلتے ان کے تاثرات ہیں اور ان کی رائے پروفیسر عبدالمغنی کی رائے کے قریب قریب ہے۔ جہاں تک ان کی تصنیف 'اسلوب اور اُسلوبیات' کا تعلق ہے تو اس کتاب کو پچیس ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ کتاب نظری تنقید پر مشتمل ہے۔ باب نمبر ۹ میں اسلوب کیا ہے اور باب ۱۰ اسلوب کی تشکیل اور اس کی صفات کو بیان کرتا ہے۔ ان ابواب میں اسلوب اور اس کے تشکیلی عناصر کو نظری انداز میں بیان کیا ہے نیز مشرق و مغرب کے ماہرین کی آرا اور نظریات کو بھی پیش کیا ہے۔ باب نمبر ۱۶ میں اسلوب اور علم لسانیات کے دائرہ کار اور باب

نمبر ۱۸ میں اسلوب اور اس کے دائرۂ عمل کو پیش کیا ہے۔ مختلف ماہرین مغرب کے لسانی نظریات کو غیر واضح انداز میں پیش کیا ہے۔ اسلوب اور اس کے دائرۂ عمل کو اسلوبیات کے دوسرے شعبوں سے تعلق کو ادبیات، لسانیات، جمالیات، نفسیات، فلسفہ اور سماجیات کی صورت میں درج کیا ہے لیکن ان میں امتزاج کو اسلوبیات کے ساتھ بیان نہیں کیا ہے۔ اس لیے یہ مبہم اور غیر واضح انداز نقد ہے جس سے کوئی مطلب واضح نہیں ہو پاتا۔ پوری کتاب میں اسلوب، اسلوبیات اور اسلوبیاتی تنقید سے متعلق طارق سعید معلومات تو فراہم کرتے ہیں لیکن ان معلومات کی روشنی میں کوئی پختہ سوچ اور زاویہ فکر سامنے نہیں آتا ہے البتہ اتنا فائدہ ضرور ہوتا ہے کہ یہ کتاب اسلوبیاتی تنقید کی ابتدائی معلومات ضرور فراہم کرتی ہے۔ یہ بات بہت واضح ہے کہ طارق سعید کا انداز نقد معروضی سائنسی اور توضیحی نہیں بل کہ تاثراتی اور قدیم ہے۔

اُسلوبیات کی روایت میں ایک اہم نام مرزا خلیل احمد بیگ کا ہے۔ انھوں نے اپنی تصنیف 'زبان، اسلوب اور اُسلوبیات' میں اُسلوب اور اُسلوبیات پر نظری اور عملی دونوں پہلوؤں پر بحث کی ہے۔ مرزا خلیل بیگ، مسعود حسین خاں، پروفیسر مغنی تبسم اور گوپی چند نارنگ سے متاثر دکھائی دیتے ہیں لیکن ان کے تجزیے خالصتاً ان کی ذہانت اور فطانت کی واضح دلیل ہیں۔ خلیل بیگ کی ایک بہت اہم تصنیف 'تنقید اور اسلوبیاتی تنقید' کے نام سے ۲۰۰۵ء میں شائع ہوئی۔ کتاب چار حصوں میں منقسم ہے۔ اول اسلوبیاتی تنقید: جس میں نظری مباحث غالب ہیں جیسے اسلوبیاتی تنقید کیا ہے؟ اس کا پس منظر اور تنقید کے منظرنامے کو سامنے رکھتے ہوئے اُسلوبیات کی وضاحت پیش کی گئی ہے۔ باب دوم اسلوبیاتی نظریہ سازوں کے نام سے ہے اور اس میں مغربی نظریہ ساز اور مشرقی نظریہ ساز ماہرین لسانیات اور اسلوبیات سے متعلق نظریات کو بالصراحت پیش کیا گیا ہے۔ تیسرا باب عملی مباحث پر مشتمل ہے جس میں مختلف ادیبوں کے کام کے اسلوبیاتی تجزیے پیش کیے ہیں۔ ابوالکلام کی نثر، نیاز فتح پوری کا لسانی مزاج اور تشکیلی اسلوب، رشید احمد صدیقی کا طنزیہ ومزاحیہ اسلوب، بیدی کی زبان، ذاکر حسین زبان اور اسلوب، اکبر الٰہ آبادی اور لغات مغربی اور دکنی ادب کے اسلوب پر تجزیے ملتے ہیں۔

یہ مختلف النوع تجزیے ان کے لسانی اور اسلوبیاتی ذوق کے عکاس ہیں اور آخری باب میں انھوں نے ادب اور لسانیات کے تجزیہ اور کلامیہ (Discourse) کے مسائل و مباحث پر تنقیدی، تحقیقی اور علمی گفتگو کی ہے۔

اسلوبیات پر درج بالا بحث کی روشنی میں کہا جا سکتا ہے کہ مسعود حسین خاں، پروفیسر مغنی تبسم، ڈاکٹر نصیر احمد خان، ڈاکٹر گوپی چند نارنگ اور مرزا خلیل بیگ وغیرہ نے نہ صرف نظریات کو پیش کیا ہے بلکہ اُردو ادب میں اُسلوبیات کی روایت کو عہدِ جدید کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہ سہی تو قریب ضرور کر دیا ہے۔

☆☆☆☆

حوالہ جات

(۱) محی الدین قادری، زور، اُردو کے اسالیب بیان (لاہور مکتبہ معین، 1966ء) ص۴۳۔۴۴

(۲) محی الدین قادری، زور، اُردو کے اسالیب بیان ،ص۵۹

(۳) محی الدین قادری، زور، اُردو کے اسالیب بیان ،ص۶۷

(۴) محی الدین قادری، زور، اُردو کے اسالیب بیان ،ص۸۲۔۱۰۱

(۵) نثار احمد فاروقی، دید و دریافت (دہلی: آزاد کتاب گھر، 1964ء) ،ص۲۱۳

(۶) نثار احمد فاروقی، دید و دریافت، ۲۱۷

(۷) مولانا ابو الکلام آزاد، تذکرہ (لاہور: مکتبہ روایت 1998ء)

(۸) مولوی عبد الحق، چند ہم عصر (لاہور: علم و عرفان پبلشرز، 2011ء) ،ص۱۰۱

(۹) نثار احمد فاروقی، دید و دریافت، ص۲۳۲

(۱۰) عابد علی عابد، سید، اُسلوب، (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، 2001ء) ،ص۶

(۱۱) عابد علی عابد، سید، اُسلوب، ۶

(۱۲) مسعود حسین خاں، پروفیسر، شعر و زبان (حیدر آباد: شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی پریس، 1966ء)، ص۱۸۲

(۱۳) مسعود حسین خاں، شعر و زبان، ص۱۸

(۱۴) نصیر احمد خاں، پروفیسر، ادبی اسلوبیات (نئی دلی: اردو محل پبلی کیشنز، 1993ء)، ص۱۵

❁❁❁